مستشرقین اور اسلامی تحقیقات

مولانا عبدالقدوس ہاشمی

یہودیوں اور عیسائیوں کا واسطہ مسلمانوں سے بالکل ابتدائی دور میں ہوگیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مکی دور ہی میں یہودی اور عیسائی دین اسلام پر اعتراضات کی ابتدا کر چکے تھے اور مخالفت کرنے میں وہ قریش کے بت پرستوں کے ہم نوا تھے۔ مدینہ منورہ کے دس سالہ دور میں یہ مخالفت اور زیادہ شدت اختیار کر گئی۔ خصوصاً یہودیوں کی مخالفت اور طرح طرح کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ قرآن حکیم کے وحی الٰہی ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی صادق ہونے کے خلاف طرح طرح کے اعتراضات ان کی طرف سے وارد ہوتے رہے۔ قرآن مجید کی مکی اور مدنی آیتوں میں ان کے بعض اعتراضات اور جوابات کا ذکر موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافتِ صدیقی اور خلافتِ فاروقی میں ان لوگوں سے مسلمانوں کو ہر جگہ واسطہ پڑا اور عراق وشام کی فتوحات نے تو آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کی راہیں بھی پوری طرح کھول دیں۔ عیسائی علمائے مذہب نے اس زمانہ سے بطور مہم کے اسلام اور اس کی تعلیمات سے واقفیت پیدا کرنے اور قرآن مجید اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق طرح طرح کے شبہات پیدا کرنے کی ابتدا کر دی تھی، مگر اس زمانہ میں ان کی طرف خود عیسائی بھی کچھ زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بازنطینی حکومت کی سخت گیری کے مقابلہ میں مسلمانوں کی رواداری اور آزادی نے مفتوحہ علاقوں کی غیر مسلم آبادی کے لئے ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی کہ لوگ مسلمان فاتحین کی آمد کو "خدا کی رحمت" سے تعبیر کرتے تھے اور اپنے متعصب مذہبی پیشواؤں کی طرف کم ہی توجہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ مصر وشام کے عیسائی اور یہودی علماء اور پیشوایانِ مذاہب اس کے مقابلہ میں بے دست وپا سے ہوگئے تھے۔

ولید بن عبدالملک کے دور میں کاشغر، بخارا اور سندھ فتح ہوگیا اور اس زمانہ میں اندلس بھی ممالک اسلامیہ میں شامل ہوا، اب اہل یورپ سے مسلمانوں کا براہ راست تعلق قائم ہوگیا، اگرچہ اس سے پہلے یورپ کے زائرین بڑی تعداد میں المقدس

میں کنیسۂ قیامت اور ولادت گاہ مسیح کی زیارت کے لئے جاتے تھے، بلکہ بہت سے یورپین طلباء بیت المقدس اور دمشق میں رہ کر علم حاصل کرتے تھے، مگر ان کا تعلق اتنا گہرا اور ایسا دوامی نہ ہوتا تھا جیسا کہ اندلس کی فتح کے بعد سے ہو گیا۔

تفصیلات کے بیان کا یہ موقع نہیں، عرض یہ ہے کہ یورپ کے طالبان علم کا تعلق اور عیسائی و یہودی پیشوایان مذہب کی اسلام کے خلاف، علم فلسفہ اور تحقیقات کے نام سے مساعی بالکل ابتدائی دور اسلامی ہی سے جاری تھیں اور آج تک جاری ہیں۔ اس لئے ہم تاریخ کے کسی خاص وقت کو اس جدوجہد کا نقطۂ آغاز قرار نہیں دے سکتے، البتہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کے طریقے بدلتے رہے۔ مقاصد میں اگرچہ کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی، لیکن کلیسا کا زور ٹوٹنے کے بعد سے کچھ ایسے مستشرقین ضرور پیدا ہوئے، جنہوں نے جرات کے ساتھ اپنے ہی اساتذہ کی پھیلائی ہوئی بہت سی باتوں کو غلط قرار دیا اور پوری قوت کے ساتھ ان کی تردید کی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس تردید سے ان کا مقصد سچ کو سچ کر کے دکھانا تھا یا خود اپنی طرف سے پیدا کئے ہوئے شکوک کو قابل قبول قرار دینا تھا۔ اس لئے کہ ان تردید کرنے والوں میں سے اکثر نے جہاں اپنے پیش رو مستشرقین کے کذب وافتراء کی پوری قوت کے ساتھ تردید فرمائی ہے، وہاں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ نئے شبہات بھی پیدا کر دیے ہیں اور وہ اپنی معصومیت کے ساتھ دبی زبان میں کوئی نہ کوئی نئی بات کہہ گئے ہیں کہ پڑھنے والوں کو ان کی نیت پر کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہو سکے۔

مثلاً لندن یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر علامہ ڈینس سورا اپنی کتاب ''تاریخ الادیان'' میں قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے سروپا اعتراضات اور اپنے ماقبل کے مستشرقین کی پھیلائی ہوئی جھوٹی باتوں کی پوری قوت کے ساتھ تردید کرتے ہیں۔ یہ کتاب 1933ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ وہ اپنے بیان میں اس قدر غیر متعصب اور بے لاگ مصنف نظر آتے ہیں کہ کسی کو ان کی نیت پر شبہ کرنے کی گنجائش نظر نہیں آتی بلکہ وہ اچھے خاصے عقیدت مند کی طرح بیان کرتے ہیں:

> ''مذاہب کے عظیم بانیوں میں سے شاید محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی شخص ہیں جن کی شخصیت تاریخی حیثیت سے بالکل واضح ہے، اور خرافات نے ان کی شخصیت پر کوئی پردہ اخفا نہیں ڈالا ہے۔''

اور اس کے بعد عقیدت مندانہ انداز میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں کی تعریف کرتے ہیں بلکہ خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد یہ بھی کہتے ہیں:

> ''بلاشبہ عرب کے لوگ جنوں اور روحوں کی پوجا کرتے تھے اور روحوں کے حجری مجسموں میں جاگزیں ہونے کے قائل تھے۔ اس کے علاوہ قبیلہ قبیلہ کے الگ الگ بت بھی ہوتے تھے۔ اسلام نے ان سب بتوں کو نیست و نابود کر دیا، صرف ایک حجر اسود کو باقی رکھا۔ شاید اس لئے کہ اس سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا احترام مقصود تھا یا شاید یہ ایک سیاسی عمل تھا، جس کے ذریعے عربوں کے باہمی اتفاق کو باقی

رکھنا مقصود رہا ہو۔" (ص 221 المستشرقون والاسلام۔ مصنفہ: زکریا ہاتم زکریا۔ طبع القاہرہ 1965ء)

آپ نے دیکھا کہ فاضل پروفیسر نے کس معصومیت کے ساتھ یہ یقین دلانے کی سعی فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاسی مصلحت کی بناء پر ایک "بت" کو باقی رکھا اور اس حد تک بت پرستی کو اسلام میں جائز قرار دیا۔ (نعوذ باللہ) حالانکہ زمانہ جاہلیت میں بھی جب کہ سینکڑوں بت تھے، کبھی حجر اسود کو بتوں کے زمرہ میں نہیں شمار کیا گیا اور نہ کبھی اس کی پوجا کی گئی۔ حجر اسود کا ذکر ہی کیا۔ اٹھارہویں صدی تک یورپ کے مستشرق اور محققین یہ لکھتے رہے کہ مسلمان جو حج کو جاتے ہیں وہ اس لئے جاتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک بت بنوا کر رکھ دیا ہے۔ مسلمان اس بات کو سجدہ کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) اٹھارہویں صدی کے اواخر میں اور انیسویں صدی کے اوائل میں خود علمائے یورپ نے اس کی تردید کی اور ایک بار نہیں، بار بار مختلف ممالک کے علماء نے اس کی تردید کی۔ تب یہ خیال لوگوں کے دلوں سے محو ہو سکا یا شاید اب بھی دور افتادہ دیہاتوں میں یہ خیال موجود ہو۔

بہر حال جیسے جیسے علم کی روشنی پھیلتی گئی، عربی کی کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہوتی رہیں اور یہ انتہائی حق ناشناسی ہوگی کہ عربی کتب کے اصل مضمون کی تصحیح و اشاعت اور ان میں سے بہت سی کتابوں کو یورپین زبانوں میں ترجمہ کرنے کی جو عظیم الشان خدمت پچھلے پانچ سو سال کے اندر یورپ کے مستشرقین نے انجام دی ہے، اس سے انکار کیا جائے یا اس کو کمتر درجہ کا کارنامہ قرار دیا جائے۔ اس کے لئے سینکڑوں مستشرقین نے اپنی عمریں صرف کیں، حکومتوں اور بادشاہوں نے لاکھوں روپے خرچ کئے، دولت مندوں نے بڑے بڑے اوقاف قائم کئے اور آج عربی کی بڑی بڑی اہم کتابیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں، ان میں سے بہت سی کتابیں وہی ہیں جو ان ہی مستشرقین کی مساعی جمیلہ سے پہلی بار طبع ہو کر ہمارے ہاتھوں میں آسکی ہیں۔ اس طرح افترا پردازی کا وہ بادل بھی آہستہ آہستہ چھٹ رہا ہے جو صدیوں تک قدیم مستشرقین اور پیشوایان مذاہب کے بیانات اور ان کی تحریروں سے یورپین ذہنوں پر چھایا ہوا تھا۔ اب تحریروں کے انداز اور مستشرقین کی تحقیقات اسلامی کا طریقہ کسی نہ کسی قدر بالا ہوا نظر آتا ہے، اگرچہ اب بھی مقاصد میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں دکھائی دیتی ہے۔ پادری زویمر کی "تحقیقات اسلامی" اور ڈاکٹر کینٹول اسمتھ کی "تحقیقات" میں مقاصد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ملتا۔ دونوں کی تحقیقات کو دیکھ لیجئے، مقصد وہی استعماریت کی تائید اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کی سعی ہے۔

چار ادوار: مستشرقین یورپ کی اسلامی تحقیقات کو ہم سہولت مطالعہ کے لئے چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱)..... پہلا دور: ابتدائے تاریخ اسلامی یعنی ساتویں صدی مسیحی یا گریگوری سے لے کر پندرہویں صدی مسیحی یعنی بیداری یورپ تک۔ (۲)..... دوسرا دور: پندرہویں صدی کی ابتداء سے اٹھارہویں صدی کے اختتام تک۔ (۳)..... تیسرا دور: انیسویں صدی کی ابتداء سے بیسوی صدی کی پہلی چوتھائی کے اختتام یعنی 1925ء تک۔ (۴)..... چوتھا دور: 1926

ء سے آج تک۔

دورِ اول میں یورپ کی حیثیت شاگردوں کی سی ہے اور مسلمانوں کی حیثیت استادوں کی سی۔ یہ دور تقریباً آٹھ سو سال کے طویل زمانہ پر مشتمل ہے۔ اس دور میں مسلمان اندلس میں، صقلیہ میں اور جنوبی ایطالیہ میں حاکمانہ حیثیت رکھتے تھے، ان کے بڑے بڑے علماء اور فلسفی ان علاقوں میں موجود تھے۔ اس وقت علم اور تمدن کے مالک مسلمان تھے، ان ہی کی تہذیب تھی اور ان ہی کے علوم، علوم شمار کئے جاتے تھے۔

اس دور میں عیسائیوں اور خصوصاً یورپ کی ساری علمی زندگی پر ارباب کلیسا کا قبضہ تھا۔ پاپائے اعظم اور ان کے نائبین مسلمانوں سے مختلف علوم حاصل کرنے کی سعی کرتے تھے اور عربی کتب و رسائل جمع کرتے تھے، اسلامی قوانین کا تھوڑا بہت مطالعہ اس دور کے آخری حصہ میں کیا گیا۔ طب، فلسفہ، فلکیات، زراعت اور قانون پر مسلمانوں کی تصانیف کا ترجمہ لاطینی اور فرنچ زبانوں میں ہوا۔ ابن رشد اور جابر بن حیان اور ابن سینا کی کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ یہ کام عموماً ایطالیہ میں اور کسی قدر فرانس میں ہوا، لیکن نہایت دانائی کے ساتھ فارابی کو ''فارلس'' ابن رشد کو ''ایوی روس'' جابر کو ''جبیر'' اور ابن سینا کو ''اوی سینا'' بنا دیا گیا اور طلباء کو یہ کبھی نہیں بتایا گیا کہ یہ لوگ یورپین عیسائی نہیں بلکہ مسلمان تھے۔ اگرچہ یہ راز زمانہ مابعد میں راز نہ رہ سکا، لیکن یورپ کے کچھ نہ کچھ لوگ اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ یورپین تھے اور مذہباً مسیحی تھے۔

اس دور میں مسلمانوں اور دین اسلام سے متعلق بڑے عجیب عجیب ہیبت ناک قصے ارباب کلیسا کی طرف سے پھیلائے گئے۔ کچھ مسلمانوں کی سفاکی کے قصے اور کچھ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے سروپا افسانے خوب خوب گھڑے گئے اور اسی زمانے میں یورپ والوں کو یہ باور کرایا گیا کہ مسلمان مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بت کو سجدہ کرنے کے لئے جایا کرتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

اس زمانہ کے اجلائے مستشرقین میں سب سے اول نام ''جوبردی اورلیاک'' ایک فرانسیسی راہب کا ملتا ہے۔ یہ فرانس میں 938ء میں پیدا ہوا اور 1003ء میں بمقام ویٹی کن وفات پائی۔ اس نے اندلس کے مدارس میں برسوں رہ کر تعلیم حاصل کی اور اپنی قابلیت کی وجہ سے واپس آکر فرانس و ایطالیہ میں بڑا نام پیدا کیا۔ واپسی پر وہ ایطالیہ میں مستقل اقامت گزیں رہا۔ حتیٰ کہ 999ء میں وہ پاپائے اعظم کے جلیل القدر عہدہ پر منتخب ہو گیا۔ اس نے دو عربی مدرسے قائم کئے اور فلکیات و ریاضیات کی بعض کتابوں کے عربی سے ترجمے بھی کئے۔ اس کے تراجم و تصانیف کا مجموعہ 1899ء میں برلن سے شائع ہوا ہے۔ (نجیب العقیقی۔ المستشرقون۔ ج:۱۔ ص120۔ طبع مصر 1964ء)

اس دور کے مستشرقین میں ''اورلیاک'' کے علاوہ قسطنطین الافریقی المتوفی 1078ء اور جودی سانتا ڈی کویل، ایڈیلارڈ، پطرس، یوحنا، رابرٹ، ہرمان، ڈینل مورلے، میکل اسکاٹ، لیونارڈ، تھامس، ڈی اکوین، روجر بیکن اور رینڈلیو وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ یہ سب اندلس، صقلیہ اور دیگر اسلامی ممالک کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں اور

انہوں نے بہت سی عربی کتابوں کے فرنچ اور لاطینی میں ترجمے کئے ہیں۔ تقریباً یہ سب راہب یا کلیسا کے خدام ہیں۔

اسی دور کا ایک بڑا فاضل ''اے تورمیدا'' بھی ہے جس نے ایطالیہ میں تعلیم حاصل کی۔ بہت دنوں تک عیسائی خانقاہ کا مرشد اعلیٰ رہا، اس کے بعد تیونس چلا گیا، وہاں صدق دل سے مسلمان ہو گیا اور عبداللہ کے نام سے مشہور رہا۔ وہیں تقریباً اسی (۸۰) سال کی عمر میں 1432ء میں وفات پائی۔ اس کی قبر تیونس میں باب المنارہ میں ہے۔ (حوالہ سابق ص 132)

شیخ عبداللہ تورمیدا کے علاوہ اور بہت سے اطالوی اور فرنچ مستشرقین نے مطالعہ کے ذریعے دین حق کو پالیا اور مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے بعض نے اسلام پر لاطینی اور فرنچ میں کچھ رسالے بھی لکھے تھے۔ خدا جانے کہ یہ رسالے اب کہیں موجود ہیں یا ضائع کر دیئے گئے۔

دوسرا دور جو یورپ کی بیداری یعنی پندرہویں صدی مسیحی سے اٹھارہویں صدی کے اختتام تک تقریباً 400 سال پر مشتمل ہے، دولت عثمانیہ، ترکیہ کی اقبال مندی کا زمانہ ہے۔ 1453ء میں قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور بہت سے ممالک یورپ عثمانیوں کے زیر نگیں آ گئے۔ دوسری طرف یورپ میں عام بیداری پیدا ہوئی۔ کلیسا کے خلاف بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہر طرح کی سیاسی، تعلیمی اور سماجی اصلاحات شروع ہوئیں۔ اس دور میں ان کا لب ولہجہ بھی اسلام کے خلاف بہت ہی تلخ ہو جاتا ہے۔ یہ تلخی عثمانی فتوحات کے خلاف جذبات نفرت کی پیداوار ہے۔

اس دور میں ان کے کارنامے یہ ہیں کہ انہوں نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر عربی کتابوں کے قلمی نسخے نکالے اور ان کو طبع کر کے شائع کیا، ان کے ترجمے کئے اور اس کے لئے بادشاہوں نے خزانوں کے دروازے کھول دیئے، عالموں نے اپنی عمریں وقف کر دیں۔ ان کارناموں کے علاوہ خود یورپین زبانوں میں اسلام پر اس دور میں بہ کثرت کتابیں لکھی گئیں اور مطبع کی ایجاد نے ان کتابوں کی بہ کثرت اشاعت کو آسان کر دیا۔

اس دور میں یورپین اقوام نے مشرق کی سرزمین ایشیا اور افریقہ پر قبضہ جمایا۔ مستعمرات اور یورپین مقبوضات کا یہی زمانہ ہے۔ انڈونیشیا، ملایا، ہندوستان، صومالیہ اور جنوبی اور مغربی و مشرقی افریقہ پر، نیدرلینڈ، فرانس، جرمنی، برطانیہ اور اطالیہ کے تسلط کی ابتداء اسی دور میں ہوئی۔ جن علاقوں پر ان استعمار پسندوں نے قبضہ کیا تھا ان میں سے اکثر میں مسلمانوں کی بڑی بڑی ہی نہیں بلکہ اکثریت کی آبادیاں تھیں۔ قبضہ اور تسلط قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ ان کی زبانیں سیکھی جائیں، ان کے عقائد و روایات سے واقفیت حاصل کی جائے اور ان کے ایمان و عقیدہ کو وہم اور غیر ثابت شدہ حقیقت قرار دیا جائے۔

ان مقاصد کے لئے یورپین ممالک خصوصاً فرانس و جرمنی نے بڑی جدوجہد کی۔ اس وقت ان کے سامنے ایک اہم ترین مسئلہ یہ بھی تھا کہ دولت عثمانیہ کی قوت کو کس طرح توڑا جائے۔ اس کام کے لئے یہ ضروری تھا کہ عربوں اور ترکوں کے مابین منافرت اور دشمنی پیدا کر دی جائے اور نہ صرف پیدا کر دی جائے بلکہ اس منافرت کو دوامی صورت دے دی

جائے۔اس مقصد کے لئے فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم نے بے دریغ دولت صرف کی۔مستشرقین اور مشرق شناسوں کو بڑی بڑی رقمیں دے کران سے عربی قومیت، عربی تمدن، عربی رسم ورواج اور عربوں سے متعلق دوسرے امور پر کتابیں لکھوائی گئیں۔عربوں کی تعریف وتوصیف کے گیت گائے گئے۔اس زمانہ کے مستشرقین کا بہت بڑا طبقہ یہ باور کرانے کی دھن میں لگا ہوا نظر آتا ہے کہ اسلام سے پہلے ہی عرب بڑی عزت وشان کے مالک تھے۔اسلامی تاریخ عربوں کے مجدد شرف کی تاریخ کا محض ایک باب ہے۔اب تک جو تاریخیں لکھی جا چکی تھیں وہ مسلمانوں کی تاریخ ہوتی تھی، عربوں کی الگ تاریخ کوئی نہیں لکھتا تھا، لیکن اس دور کی آخری دو صدیوں میں عربوں کو ترکوں کے خلاف تیار کرنے کی منظم جدوجہد یورپین حکومتوں نے مستشرقین کے ذریعہ شروع کی۔عربی ممالک میں تحقیقاتی وفود کی ابتداء ہوئی، آثار قدیمہ نکالے جانے لگے، اور عربوں کو وطنی قومیت کے لئے تیار کیا جانے لگا، جس کا نتیجہ تقریباً سو سال کے بعد بیسویں صدی کے اوائل میں خاطر خواہ نکلا۔

اس دور کی آخری دو صدیوں میں اسلام کے خلاف کتابوں اور رسالوں کی تالیف واشاعت کا کام ایطالیہ اور فرانس تک محدود نہ رہا۔بلکہ ان ہی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والوں کے ذریعے یورپ کے دوسرے ممالک تک پھیل گیا۔ خصوصاً جرمنی اور نیدرلینڈ میں مطابع قائم ہوئے اور لوگ اس سلسلے میں کام کرنے لگے۔آخر میں انگلستان میں تعلیمی و اشاعتی ادارے قائم ہو گئے۔

اس دور کے مشاہیر مستشرقین میں اولین نام ''مسٹر جی پوسٹل'' کا آتا ہے۔یہ نام منڈی کے ایک قصبہ باؤنٹون میں 1505ء میں پیدا ہوئے اور 1571ء میں وفات پائی۔ان کو بادشاہ وقت نے جاگیر بھی دی تھیں۔انہوں نے ترکی اور دیگر ممالک کے سفر کئے، بہت سی قلمی کتابیں خریدیں اور عربی وعبرانی زبان دانی اور مسلمانوں کے عقائد ورسوم پر متعدد کتابیں لکھیں۔یہ ایک مذہبی پیشوا تھے اور مذہب عیسوی میں بعض باتیں پیدا کرنے کے جرم میں حکومت فرانس نے انہیں قید کر دیا تھا۔ان کی وفات بھی قید خانہ میں ہوئی۔ان کے علاوہ اس دور کے مشاہیر مستشرقین میں بی ویٹیبر (1613-1667ء) بی ڈی بربیلو (1625-1695ء) انطون گالان (1646-1715ء) پادری رینا درڈو (1647-1720ء) اور پادری بارتلیمی (1716-1795ء) وغیرہ نے اپنے اپنے انداز میں اسلام پر کتابیں لکھیں۔

یہی وہ زمانہ ہے جب کہ کلیسا کا طلسم ٹوٹا اور اس دور کے آخر میں کچھ ایسے مستشرقین بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے پیشرو مستشرقین کی تردید کی اور ساتھ ہی کچھ نہ کچھ نئے شبہات بھی پیدا کر دیئے۔

تیسرا دور انیسویں صدی کی ابتداء سے 1925ء تک محیط ہے، اس دور میں عربی کتابوں کی تصحیح اور اشاعت کا کام زیادہ وسعت کے ساتھ ہوا۔یورپ کی ہر بڑی یونیورسٹی میں عربی اور اسلام کے مطالعہ کے لئے خاص شعبے قائم ہوئے، عربوں اور ترکوں کے مابین منافرت پیدا کرنے کی مہم بہت تیز کر دی گئی، اسلامی کتابوں کے ترجمے بکثرت شائع ہوئے۔اس زمانے

میں تحقیقات کے نام سے مسلمانوں کے اندرونی اختلاف اور جدید فرق اسلامیہ پر بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ عربی علمی کتابوں کی تشریحی فہرستیں شائع ہوئیں۔ تقریباً ہر ملک میں ایشیائی سوسائٹیاں وجود میں آئیں۔ اس دور کے مستشرقین، عربی متون کی تصحیح اور علوم ریاضیہ و تجربیہ کے تراجم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ دو مقاصد کے لئے کام کرتے نظر آتے ہیں۔

اول: عربوں میں تفریق کے لئے عربوں کی تعریف و توصیف اور غیر عرب مسلمانوں پر الزامات کا التزام اور دوم: مسلمانوں کی روایات اور ان کی تاریخ کو ناقابل اعتبار قرار دینے کی مساعی۔

اس دور میں قرآن مجید کے متعدد ترجمے ہوئے، قرآن مجید کے الفاظ کی فہرستیں اور لغات القرآن بکثرت تیار کئے گئے۔ مسٹر جی فلوگل (1802-1870ء) اور مسٹر ہملٹن التوفی (1824ء) مترجم ہدایہ اسی دور کے علما ہیں۔ اس دور کے مشہور مستشرقین میں سے ایڈورڈ پہاسٹک (1819-1891ء) مسٹر ہیوز مصنف ڈکشنری آف اسلام، تھامس کارلائل، ولیم ہوک مارلے، ایڈورڈ مہلر، ایل اسمنٹ، پادری ڈروم سی، ای ولسن گولڈز یہر، پادری کموشکو، جان جاک سدیو، لیونے کاتیانی، پادری فاکاری، لازینون بلاشیر اور نالینو وغیرہ اہم ہیں۔ مشہور پروفیسر پامر اور ان کے نامی گرامی شاگرد کرنل لارنس آف عربیا اسی دور کے بزرگ ہیں۔

چوتھا دور 1926ء میں امیر کاتیانی کی وفات سے اب تک ہے۔ اس دور میں تحقیقات اسلامی کا کام جن مستشرقین نے کیا ان میں نولدیکے اور ان کے شاگرد علامہ بروکلمان اور پروفیسر سخاؤ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسی طرح تھامس آرنلڈ، مسٹر جیکس مونٹ گمری واٹ، پروفیسر گویام، لی اسٹونج، مسٹر لیمپ، مسٹر انڈوسن، پروفیسر مارگولیتھ، ڈینی راس، مسٹر اولیری، مسٹر اوکارٹ، مسٹر براؤن، مسٹر ہملٹن گب، مسٹر لنڈاؤ اور مسٹر لویس وغیرہ نے تحقیقات اسلامی کا کام کیا اور کام کر رہے ہیں۔ پادری زویمر التوفی 1952ء بانی رسالہ مسلم ورلڈ بھی اس دور کے ہیں جن کے متعلق خود مستشرقین کی یہ رائے ہے کہ ان کے تعصب نے ان کی تصنیفات کا علمی مرتبہ ہی ختم کر دیا۔

اس دور میں تحقیقات اسلامی کا دائرہ فقہ اور اصول فقہ تک وسیع ہو گیا۔ اسلامی فرقوں کے حالات اور ان کے افکار کی طرف توجہ بڑھا دی گئی ہے، اگرچہ اس سے پہلے بھی ان موضوعات پر کچھ نہ کچھ کام مستشرقین نے کیا ہے، مگر اس عہد میں توجہ ان موضوعات اور تصوف اسلامی کی طرف زیادہ ہو گئی ہے۔ اس دور میں ایک بات یہ بھی پیدا ہو گئی کہ بڑی حکومتیں خدا بیزاری اور مذہب سے نفرت کے اصول پر قائم ہوئیں۔ اس کی طرف توجہ 1925ء کے بعد سے ہوئی اور 1945ء کے بعد تو خدا بیزاری مملکتوں کا مسلسل پروپیگنڈا خود عیسائیت کے لئے بلکہ دنیا کے تمام مذاہب کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گیا۔ اس لئے باستثنائے چند مستشرقین، یورپ کا لب و لہجہ اسلام کے خلاف یاوہ گوئی میں نسبتاً نرم ہو گیا اور اس وجہ سے مذاہب کی کانفرنسوں، تقریروں اور مقالات صلح و آشتی میں اضافہ ہو گیا ہے، اگرچہ اس صورت حال کا اثر سب پر نہیں پڑا۔ پادری سموئل زویمر اور ان کے ہم نوا پوری طاقت کے ساتھ اسلام، قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لکھتے

رہے۔ وہ اپنے لب ولہجہ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکے، مگر پھر بھی دیگر مستشرقین کا ایک بڑا طبقہ اس خطرہ کو محسوس کر کے اپنی تحریروں کو مصلحتاً کسی قدر نرم کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔

مقاصد: کسی بھی ذی ہوش آدمی کا ارادی عمل بغیر علت غائی یعنی مقصد عمل کے ممکن نہیں ہے، اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہوسکتا کہ مستشرقین کا عملِ تحقیقاتِ اسلامی کسی مقصد کے بغیر ہوتا رہا ہے یا ہوسکتا ہے، یقیناً ان اعمال کا کوئی مقصد ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ ہم اس کام میں زیادہ تر ان ہی حضرات کو منہمک پاتے ہیں جو عیسائیت کے پُر جوش مبلغ ہیں اور آج تک اکثریت ان ہی مبلغین کی اس کام میں مشغول نظر آتی ہے، جو دین مسیحی کے بہترین مبلغ ہیں۔ ذرا ان چند ناموں پر غور کیجئے، یہ سب مسیحی پادری ہیں اور مدتوں تک مرتاض راہب رہ کر انہوں نے تربیت پائی ہے۔

پادری الیانو	المتوفی 1589ء	پادری ریلو	المتوفی 1848ء
پادری مارٹن	المتوفی 1880ء	پادری بلن	المتوفی 1891ء
پادری ایوجی	المتوفی 1895ء	پادری کوش	المتوفی 1895ء
پادری ژی کوپر	المتوفی 1904ء	پادری جولیان	المتوفی 1911ء
پادری بروبر	المتوفی 1929ء	پادری میکارتھی	المتوفی 1913ء
پادری بولوموائے	المتوفی 1929ء	پادری زیموفین	المتوفی 1928ء
پادری ڈیورنڈ	المتوفی 1928	پادری مالون	المتوفی 1943ء
پادری لامنس	المتوفی 1937ء	پادری کونلیکیٹ	المتوفی 1943ء
پادری لاپیرے	المتوفی 1950ء	پادری مونٹوڈے	المولود 1880ء
پادری ہنری چارلس	المتوفی 1900ء	پادری فلبش	المولود 1904ء

یہ سب مبلغ (مشنری) اور پادری اور کلیسا کے مذہبی عہدہ دار ہیں۔ انہیں بیش قرار تنخواہیں کلیسا اور اوقافِ کلیسا سے ملتی رہی ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایک مسیحی راہب اور کلیسا کا عہدہ دار کلیسا کی تنخواہ لے کر اسلام پر تحقیقات کس مقصد اور کس جذبہ کے تحت کرسکتا ہے اور یورپ کی استعماری حکومتوں نے ان پر جو کروڑوں روپے خرچ کئے یا کر رہی ہیں، ان کا کیا مقصد ہوسکتا ہے؟

عربی زبان سے ریاضیات، فلکیات، کیمیا، طب، نباتات اور حیوانات کی کتابوں کے ترجمے کرنے والوں کو شاید یہ کہہ دیا جائے کہ وہ محض تلاش علم کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں، لیکن ایسے حضرات بہت ہی کم ہیں اور ہمارے موضوع سخن سے اس مقالہ میں یہ لوگ خارج ہیں۔ اسلامی عقائد، قرآن حکیم، اسلامی تاریخ، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تصوف پر تحقیقات کرنے والے ان مسیحی خانقاہ نشینوں اور مبلغوں کا مقصد صرف تلاش علم و ہنر کیسے ہوسکتا ہے؟

مستشرقین کی اسلامی تحقیقات کا مقصد جو ان کی تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف

پروپیگنڈہ، استعمار کے لئے راستہ کی ہمواری اور مسلمانوں میں تفرق پھیلانے کی جدوجہد کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ اس مقصد کے لئے وہ بڑے خلوص اور تندہی سے کام کرتے ہیں۔ تحقیق کے نام سے منافقوں اور اسلام دشمن اشخاص کے قدیم اقوال ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور چونکہ عرب عیسائیوں اور یہودیوں کے اکثر نام مسلمانوں کے سے ہوتے ہیں، اس لئے بڑی آسانی سے ساتھ وہ دھوکہ دینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ مسلمان حکومتوں میں ہمیشہ سے آزادی رائے رہی ہے۔ اس لئے ہزاروں یہودیوں اور عیسائیوں نے طرح طرح کی فضول اور مضر تحریریں لکھی ہیں اور آج یہ تحریریں اسی طرح پیش کی جاتی ہیں، جیسے کسی مسلمان عالم دین کی لکھی ہوئی کتاب ہو۔ اس کے علاوہ خود مسلمانوں میں کچھ لامذہب اور زندیق قسم کے افراد بھی داخل یا پیدا ہوتے رہے ہیں، یہ لوگ ان کی تحریروں پر خاص توجہ کرتے ہیں۔ مثلاً بشار بن برد، ابونواس جیسے مشاہیر فساق اور زنادقہ کی تحریروں، کتاب الاغانی، کتاب اخوان الصفا، ابونعیم کی کتاب الفتن اور اس قسم کی دوسری کتابوں سے مواد لیتے ہیں۔ بعض بالکلیہ جعلی کتابیں جو کسی قدیم مصنف کی طرف منسوب کردی گئی ہیں، مثلاً عبداللہ ابن داؤد کی طرف منسوب کتاب ''المصحف'' زبیر بن بکار کی طرف منسوب کتاب ''نسب قریش'' بوعلی سینا کی طرف منسوب رسالہ ''حشر الاجساد'' وغیرہ ان کے مقاصد کے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ متون کتاب کی طباعت میں انہوں نے جو کام کیا ہے اور فہرست سازی اور اشاریہ نویسی میں جو محنتیں انہوں نے کی ہیں وہ لائق صد آفرین ہیں اور ان کی محنت و مساعی سے بہت سی کم یاب اور قیمتی کتابیں چھپ کر ہمارے لئے قابل حصول ہوگئیں، لیکن جہاں انہوں نے ترجمہ وتحشیہ کا کام کیا ہے یا بہ طور کوئی کتاب لکھی ہے وہاں کبھی بالارادہ اپنے جذبہ عداوت کے ماتحت اور کبھی محض اپنی جہالت سے کتاب کو کیا سے کیا بنا کے بھی رکھ دیا ہے اور عجیب عجیب گل کھلائے ہیں، مثال کے لئے مشہور مستشرق فلوگل کو لیجئے۔ انہوں نے قرآن مجید کا ایک نسخہ چھاپا۔ الفاظ کی فہرست مرتب کی اور 1842ء میں ایک وسیع لغت الفاظ قرآن مجید کی شائع کی۔ اس لغت میں انہوں نے 39 الفاظ کے غلط عربی مادے لکھ دیئے اور نتیجتاً معانی بدل ڈالے۔ مثال کے لئے ان پانچ الفاظ کو دیکھئے:

1- ''اثرن'' کا مادہ ''ا۔ث۔ر''۔ قرار دیا، حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل ''ث۔و۔ر'' ہے۔

2- ''الخاض'' کا مادہ ''خ۔و۔ض'' قرار دیا۔ حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل ''م۔خ۔ض'' ہے۔

3- ''استبقوا'' کا مادہ ''ب۔ق۔ی'' قرار دیا۔ حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل ''س۔ب۔ق'' ہے۔

4- ''وقرن'' کا مادہ ''ق۔ر۔ن'' قرار دیا، حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل ''ق۔ر۔ر'' ہے۔

5- ''عقیلا'' کا مادہ ''ق۔و۔ل'' قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل ''ق۔ی۔ل'' ہے۔

اس تبدیلی سے معانی بالکل بدل گئے۔ یہ وہ مسٹر فلوگل ہیں جن کو مستشرقین کے نزدیک سند مستند کا مقام حاصل ہے۔

چونکہ ہمیشہ سے یہ اعتراض مسیحیت پر کیا جاتا رہا ہے کہ انجیل مقدس کے نام سے جو کتاب پیش کی جاتی ہے، وہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی غلط اور فرضی سوانح عمری ہے۔اس میں ایک لفظ بھی وحی الٰہی کا نہیں ہے اور یہ اعتراض بالکل صحیح ہے۔دنیا میں کہیں وحی الٰہی کا ایک لفظ بھی بجز قرآن مجید کے موجود نہیں ہے۔یہ امر واقعہ ہے۔اس کا کوئی جواب عیسائی مبلغین کے پاس نہیں ہے،اس لئے مستشرقین نے اپنی تحقیقات اسلامی کا سارا زور اس پر لگا دیا ہے کہ قرآن مجید بھی اصل نہیں ہے اور قابل اعتماد نہیں ہوسکتا۔(نعوذ باللہ) اس کے لئے وہ عجیب عجیب دلائل پیدا کرتے ہیں۔مثلاً علامہ گولڈ زیہر اپنی کتاب ''مذاہب التفسیر الاسلامی'' میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے ایک لفظ کی صحت بھی قابل اعتماد نہیں،کیونکہ ابتدا میں جب اسے لکھا گیا تو حروف پر نقطے نہیں تھے،اس لئے لوگوں نے نہ جانے کیا لکھا تھا اور کیا پڑھا۔

ذرا غور فرمایئے!اس فاضل مستشرق نے کیا بات کی ہے؟جس قوم میں مادر زاد اندھے حافظ رہے ہوں اور جس میں آج تک استاد سے شاگرد کی طرف علم کی منتقلی بذریعہ صورت و آواز ہو،اس میں نقطہ کی اہمیت ہی کیا ہے!صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے آواز سنتے تھے یا لکھی ہوئی تحریروں سے قرآن مجید یاد کرتے تھے اور آج تک مسجد اور کسی مدرسہ میں قرآن مجید بغیر معلم کی آواز کے بلیک بورڈ پر لکھ کر پڑھا جاتا ہیں؟قرآن مجید کی آواز،مد،سکون،وقف،سکتہ یہ سب کچھ بذریعہ روایت محفوظ ہے،اس کے لئے حروف اور نقطہ کی ضرورت ہی کہاں پڑتی ہے؟شاید علامہ گولڈ زیہر کا مقصد یہ ہے کہ جب وحی آتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لکھوا کر اس لئے محفوظ فرما دیتے تھے کہ لوگ آکر مسجد میں رکھے ہوئے اس نوشتہ کو پڑھ لیا کریں اور آپ کسی کو زبان سے کچھ نہیں سنایا کرتے تھے۔

یہی ہوتا تھا تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی نے قرآن مجید کیسے یاد کیا اور نا حرف شناس تو بہت سے حافظِ قرآن صحابہ میں موجود تھے۔

اسی طرح کی مہمل اور مغالطوں کے ذریعہ حضرات مستشرقین یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تورات شریف اور انجیل مقدس کی طرح قرآن بھی دنیا سے ناپید ہوگیا۔(نعوذ باللہ) اسی طرح سیرت طیبہ،اسلامی تاریخ اور فقہ اسلامی میں طرح طرح کے شک پیدا کرنے کی کبھی بالارادہ کوششیں کرتے اور کبھی نقص مطالعہ اور غرور علم و فضل کی آمیزش سے ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔

سنیئے!ایک مبلغ اور مستشرق ہیں:''لوئی ونڈرمین'' انہوں نے ایک علمی مجلس میں یہ اعتراض کیا کہ ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کے گھر حضرت زبیرؓ اکثر جاتے تھے اور کبھی کبھی وہیں سو بھی جایا کرتے تھے۔ام المومنین ان کے سر میں کنگھی بھی کر دیتی تھیں،حالانکہ اسلام میں کسی عورت کا غیر مرد سے اس طرح ملنا جلنا جائز نہیں ہے۔اس اعتراض کے بعد جب انہیں بتایا گیا کہ حضرت ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ حضرت زبیرؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں اور ان ہی نے بچپن سے ان کو پالا تھا،کوئی غیر نہ تھیں تو نہایت معصومیت سے فرمایا کہ ''اچھا یہی بات ہوگی۔''

مثالوں سے بات طویل ہوجائے گی،اس لئے اب میں اس گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔خلاصہ یہ ہے کہ:

1- عیسائیوں اور یہودیوں کو ہمیشہ ہی سے اس کا صدمہ رہا ہے کہ اسلام نے شام وعراق اور مصر ومراکش وغیرہ میں کیوں قدم جمالئے۔ اس کا انتقام لینے کے لئے انہوں نے تلوار کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی کام لیا اور کام لے رہے ہیں اور ہمیشہ کام لیتے رہیں گے۔ مسلمانوں کو چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ شکایت کرنا بزدلی ہے اور چوکنا رہنا ہوشیاری اور دانائی ہے۔

2- عیسائی مبلغین جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں وہ کسی مذہب کے مبلغ نہیں ہیں۔ بھی وہ استعماری حکومتوں کے ہراول دستے تھے اور اب یورپین تہذیب وتمدن کے نقارچی ہیں۔ جنہیں بیش قرار تنخواہیں سیاسی مصالح اور تجارتی مقاصد کی تکمیل کے لئے دی جاتی ہیں، یہ مبلغ بھی ہوتے ہیں اور پروفیسر بھی اور کبھی کوئی اور روپ بھی دھار لیتے ہیں۔

3- کسی کی بات کو بغیر تنقیح وتحقیق کے قبول نہیں کیا جاسکتا، اس لئے مستشرقین کے علم وفضل سے مرعوب ہوکر کوئی بات قبول نہیں کی جاسکتی۔ رہی اچھی اور سچی بات تو یہ دوست سے ملے یا دشمن سے قبول کرنی چاہئے، کیونکہ "کلمہ حق مومن کا کھویا ہوا مال ہے، جہاں کہیں مل جائے مومن ہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔"

☆☆☆

اے دوست!

رئیس امروھوی

ہر ذرۂ تیرگی وتنویر
زندانیِ کائناتِ تقدیر

انجم ہیں خلا میں پا بہ جولاں — سورج ہے زمین سے پابہ زنجیر
رقصاں ہیں شعاعِ مہر کے ساتھ — ذراتِ زمیں بہ نوکِ شمشیر
ذرات پر رقص کر رہی ہے — سورج کی کرن بہ جبرِ تنویر
منظور ہے کاہ کی کشش سے — افلاک پر کہکشاں کی تسخیر
یہ معرکہ نشو وارتقاء کا — شاخیں ہیں کمان، پھول ہیں تیر
اے میرے وجود کے مصور! — میں تیرے وجود کی ہوں تصویر
باایں ہمہ جذب وشوق اے دوست! — کیا قرب وصال کی ہو تدبیر

تو روح کا جلوۂ جہاں تاب
میں جسم کا سایۂ زمیں گیر